کوّے کی قدامت و ذہانت

منظور عثمانی

بیت الرحمہ، 17۔غفور نگر، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔110025

کوّا کم از کم اتنا قدیم تو ہے ہی جتنے حضرتِ آدمؑ۔ چنانچہ قصّۂ آدمؑ کی رنگینی میں خونِ ابلیس ہی شامل نہیں ہے اس کوّے کی کلونس بھی ہے۔ کیونکہ پہلے جرمِ قتل یا برادر کشی کی پردہ پوشی اسی کی رہنمائی میں عمل میں آئی تھی۔ تورات وقرآن دونوں گواہ ہیں کہ یہ حضرت ہی تھے جنھوں نے قابیل کو اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی راہ سجھائی۔ چنانچہ یہ پرتھا اولادِ ابراہیم کو ایسی بھائی کہ تب سے لے کر اب تک اسی کی سنّت پر عمل پیرا ہے۔

کوّے کی عقل کی برتری کا قابیل نے خود اعتراف کیا ہے کہ ''ہائے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا کہ اس کوّے جیسا ہی ہوتا کہ چھپا لیتا لاش اپنے بھائی کی!'' پس کہ ثابت ہوا کہ نسلِ آدمؑ کی کالی کرتوتوں کی پردہ پوشی میں کوّے کا رہنما یا نہ رول رہا۔

اس رہنمائی سے ایک بات تو ثابت ہے کہ حضرت شروع سے ہی بڑے استاد رہے ہیں۔ وہ پیاسے کوّے کی کہانی ہم سب نے سنی ہی ہوگی کہ کس ترکیب سے اس نے اس صراحی (یا گھڑے) سے پانی جو تھیتلا ہونے کی وجہ سے اس کی چونچ پانی تک نہیں پہنچ سکتی تھی چنانچہ اس نے پانی کی سطح اوپر کرنے کی وہ لاجواب ترکیب نکالی کہ عام آدمی کا دماغ وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتا۔ آپ اِسے کہانی نہ سمجھئے ہمارے خود اکثر مشاہدے میں آتا رہتا ہے کہ سوکھی روٹی کے ٹکڑے کو کس طرح کونڈے میں بھگو کر وہ اپنی بھوک مٹاتا ہے۔

حال ہی میں جرمنی کی Eberhard Karls University in Tubingen کے Neuroluiolists لیناویٹ (Lcona viet) اور اینڈریاس (Andreas Nieder) نے کوؤں کی نفسیات اور دماغ (Brain) کا انھوں نے چند کوؤں کو سدھایا تا کہ کمپیوٹر پر میموری کو ٹیسٹ کیا جاسکے (Memory Tests) انھیں یا کئی Image یاد رکھنے کے لیے دیے گئے۔ حیرت انگیز طور پر دیکھا گیا کہ وہ ان میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا گیا کہ دوسرے پرندوں کے مقابلے میں چیزوں کو پہچاننے اور یاد رکھنے کی صلاحیت ان میں کہیں زیادہ ہے Behavioural Biologists (سائنس داں جو حیوانوں کے طور طریقوں کا مطالعہ کرتے ہیں) نے کوؤں کو Feathered Prentice کیا ہے۔ یاد رہے Prentice کے زمرے میں بندر، لنگور، بن مانس یا گوریئے جیسے Manmals آتے ہیں؟ جو ڈارون کے نظریے کی رو سے انسان کے پیش رو تھے (گو اسلام اس تھیوری کو نہیں مانتا)۔ اسی کا مذاق اُڑاتے ہوئے اکبرالہ آبادی نے کہا بھی ہے:

ڈارون بولے بوز (بندر) ہوں میں
منصور نے کہا خدا ہوں میں
ہنس کے بولے مرے اک دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست

سائنسدانوں کے نظریے کے مطابق حضرتِ انسان پہلے بندر تھے تب ان کے ایک عدد دم (پن چھلاّ) بھی ہوا کرتی تھی، لیکن قدرت نے ان Prentice کو کیونکہ عقل کی دولت سے مالا مال کیا تھا اس لیے لاکھوں سالوں کی ارتقائی منازل سے گزرنے کے بعد چھوڑ چھاڑ کر اس نے پیروں پر چلنا سیکھا اور بخشے گئے شرفِ علم وعقل کی بدولت 'آدمی' بن پایا افسوس! انسان پھر بھی نہ بن سکا۔

اسی طرح عقل اور ذہانت کے معاملے میں خالقِ کائنات نے کوؤں کو بھی ''اشرف الطائران' بنایا ہے۔ وہ حسبِ ضرورت Tools یا وسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ بیک وقت ایک ساتھ کئی مقامات کو یاد رکھ سکتے ہیں اور اپنے سماجی رویوں کی پلاننگ کرنے پر قادر ہیں اس کے علاوہ بہت سی دیگر صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں جو انھیں دیگر پرندوں سے ممیّز کرتی ہیں۔

کوّا عالمگیر شہرت کا حامل ہے۔ دنیا کا کون سا خطّہ ہے جو کوّوں سے خالی ہے۔ ہر طرح کی آب و ہوا میں جی لینے کا ہنر جانتا ہے۔ Adjustability بھی اس میں غضب کی ہے۔ ہر ماحول میں اپنے کو ڈھال لینے پر قادر ہے۔ اقبال کے مومن کی طرح سوکھے نانِ شعیر اور دانے دنکے پر بھی قناعت کر لیتا ہے اور گوشت پوست سے بھی اُسے چند

اں پر ہیز نہیں یعنی:

جناب شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی
ظاہر کا ادب ملحوظ رہا، باطن بھی مگر محفوظ رہا
واعظ سے ادھر اک بات سنی ساقی سے ادھر اک جام لیا

کوّے کی یک رنگی قابل دید ہے، بقول مولانا اسماعیل میرٹھی:

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے
جونچ بھی کالے پر بھی کالے

یاد رہے ہم نے مولانا کے قول کو جھٹلا لینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مردہ کوّے تک ہر زاویے سے الٹ پلٹ کر بغور ٹٹولنے لاکھ جتن کر ڈالے، مگر واہ رے شبِ دیجور اور لیلیٰ کی اولاد، کوئی عضو بھی تو بدرنگ نہ ملا۔ مزے کی بات یہ بھی تو دیکھیے کہ جیسے اِملی کے پتّے ہر جگہ ہرے ہی ہوتے ہیں اسی طرح یہ حضرت بھی کوئی آب وہوا، کوئی موسم، کوئی خطّہ ہو، لیکن میاں کوّے کالے کے کالے۔ کالے دھن یا نتیاؤں کی طرح۔ سارے بحراعظموں کے پانیوں میں اِسے نہلا دیجیے مور کے پیروں کے سمان کیا مجال جو اپنا رنگ ذرا سا بھی پھیکا پڑ جائے۔ ہاں آب اور بڑھ جائے گی۔

ہر جاندار پر موسم، آب وہوا کے مطابق اس کے رنگ، عادات اور طرز رہائش وخورد ونوش پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اب یہی دیکھیے اولادِ آدم وحوّا میں نیگرو بھی ہیں اور سفید قومیں بھی ہیں، لیکن رنگ روپ میں بلیک بورڈ اور چاک جیسا انتر۔ یہی حال Raptiles، Mammals، Rodents آبی پرندوں اور کیڑے مکوڑوں وغیرہ میں بھی ہے۔ حضرتِ انسان تو کب کا گرگٹ کو بھی کہیں پیچھے چھوڑ کر کہیں آگے بہت آگے بڑھ چکے ہیں، لیکن کوّے میاں ''رنگِ کہن'' پر قدامت پسند مسلمان کی طرح اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کچھ کوّے انسان کی دیکھا دیکھی یہ سوچ کر کہ نیگروز کی طرح سرد آب و ہوا میں رہ کر ہم بھی کالے سے گورے ہو جائیں گے انتہائی سرد پہلوؤں پر جا بسے لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہوا۔ ان کے بچّے جو ہوئے وہ ان سے بھی کالے نکلے ہاں تن توش ضرور بڑھ گیا۔ بے چارے نہ ادھر کے رہے نہ اِدھر کے۔ چنانچہ اگر بھولا بھٹکا پہاڑی کوّا میدانی کوّوں سے ملنے خیر سگالی مشن پر آ بھٹکتا ہے تو ایسے ہی ناپسندیدہ قرار پاتا ہے جیسے بریلویوں میں دیوبندی علیٰ ھٰذ القیاس یا غیر ملکی سفارت کار اس ملک میں جاسوسی کرتا ہوا (Person-non. grata) قرار پاتا ہے۔

عادی مورنگ واکر ہونے کے ناطے ہم کوّوں کے اچھے خاصے مشاہد ہیں اور پرندے تو شہروں کے بے پناہ پولیوشن ہرے بھرے پیڑوں کا کٹاؤ، کھلی جگہوں کو مکانوں میں بدل دینے۔ حد تو یہ ہے کہ جمنا تک کو نالے میں تبدیل کرنے کی ہوس کی وجہ سے کب کے ناپید ہو چکے ہیں، لیکن یہ لیلیٰ رو، کسی طور منہ کالا کرنے کو تیار نہیں شاید اس لیے بھی کہ اولادِ آدم سے اس کا ازلی رشتہ اور جینے مرنے کا سمبندھ ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقدار ہیں جو دونوں میں مشترک پائی جاتی ہیں، لیکن اس کا ذکر بعد میں۔

ہمارا مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ سماجی روابط میں کوّے انسانوں سے کہیں بہتر ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کوّا مر جاتا ہے تو ایک کوّے کی آواز پر دور دور کے کوّے تعزیت کے لیے مردے کے گرد اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ مرنے والے کے احترام میں اپنی معروف کائیں کائیں کو بھلا کر مکمل خاموشی کے ساتھ شردھانجلی (خراجِ عقیدت) پیش کرتے ہیں۔ وہی کیا دوسرے جاندار مثلاً بندر، کبوتر گوریّا تک کو اتنا شعور ہے کہ ایسے موقعوں پر خاموش رہا جاتا ہے، لیکن اس کے برخلاف اشرف المخلوقات کو دیکھیے تدفین یا داہ سنسکار کے موقعوں پر اوّل تو کندھا دینے سے ہی کتراتے ہیں اور اگر لحاظ ملاحظے میں قبرستان رشمشان بھومی پہنچ بھی جائیں تو دو منٹ کا مون (خاموشی) اس کے لیے دوبھر ہو جاتی ہے۔ کون سا موضوع ہے جس پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاتی۔ اور تو اور میاں ہم نے شاہراہِ عام پر ایک لاوارث کی لاش دن بھر پڑی دیکھی ہے۔

پارک میں ایک مخیّر شخص کوّوں کو دانہ ڈالا کرتا ہے۔ ہر سمت سے کوّے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ہر کوّے کی کوشش ہوتی ہے دوسروں کو اطلاع دینے کی ادھر ہم مہذّب انسان ہیں کہ بانٹ کر کھانا تو دور کی بات ہے اکیلا ہی چپ چاپ ہڑپ کر جاتا ہے۔ ارے صاحب یہ تو پانی تک بیچ کھاتا ہے رزّاق وہ پر رزق پر اسی کا قبضہ۔

کوّے کو آپ لاکھ ناپسندیدہ قرار دے لیں پر ایک خوبی ایسی ہے جس کے سامنے آدمی کی ساری تہذیب وتمدن دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ وہ ہے پاسِ حیا۔ پارک میں روزانہ ہزاروں کوّے نظر پڑتے ہیں، لیکن آنکھ پھوٹ جائے جو کوّے کو کسی کوّی کے ساتھ موج مستی مارتے دیکھا ہو۔ کثرتِ آبادی سے اندازہ تو ہوتا ہے کہ یہاں بھی کارِ تخلیق میں بڑھ چڑھ کر ضرور حصّہ لیتے ہوں گے، لیکن اس کا بھرپور التزام کر لیتے ہیں کہ اندر کی بات اندر رہے اور کوئی دیکھتا نہ ہو۔ اِس کے برخلاف بے حیائی کے اس پیکر جسے اشرف المخلوقات کہنے کا شرف بھی حاصل ہے کے آگے شرم وحیا سر پیٹ پیٹ لیتی ہے اب تو خیر سے پارکوں میں:

شریف آدمی کا نکلنا ہے بھاری
اِدھر بھی ہے پیاری اُدھر بھی ہے پیاری

(اور وہ بھی بھرپور عریانی اور بے شرمی کے ساتھ)

ہاں مینا (گُرسل یا گُل گچّی) کوّے کے نیچرل ساتھی ہیں۔ بازو سے بازو ملا کر ساتھ چگتے ہیں، لیکن کیا مجال جو صنفِ نازک بُری نظر سے دیکھ لے۔ نہ ہی وہ عفیفہ اُسے لبھاتی ہے یا چونچ لڑاتے نظر آجائیں۔ عشوہ وغمزہ اِسے اُکسانے کے لیے بروئے کار لاتی ہیں۔ جب کہ کوّے کے مقابلے میں وہ کسی مینکا سے کم نہیں۔ جب کہ انہی کی نظروں کے سامنے حضرتِ انسان کیا کیا نہ کھُل کھیلتے نظر آتے ہیں۔

واہ! واہ شاباش کوّے واہ واہ
تو تو کلوے پارساؤں سے بھی بازی لے گیا

نہ جانے کس جرم کی پاداش میں کوّے کو اچھی نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔ اُس کے سیانے پن اور چالاکی کی وجہ سے اُسے ''گوکھانا'' تک کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی آواز میں بھی کرختگی پائی جاتی ہے۔ انتہائی بے سرا اِس کی کائیں کائیں کو بھی سمع خراشی سمجھا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ کالی کلوٹی کوئل کی آواز کانوں کو کتنی من پسند اور سریلی لگتی ہے۔ وہی فرق ہے جو مُلّا اور مجاہد کی آذانوں میں پایا جاتا ہے۔ بے چارے کی کائیں کائیں تک کانوں پر اتنی گراں گزرتی ہے کہ معذوب رانیوں مہارانیوں کو اس کو ہنکانے کے کام پر لگا دیا جاتا ہے۔ جس کے لیے کوّوں کی نیکنی نام کی مخصوص گالی بھی تجویز کر دی گئی ہے۔

لیلائے شبِ دیجور تک کو چاہنے والا مل جاتا ہے، لیکن کوّے کا شیدائی آج تک نظر سے نہیں گزرا نہ کسی کو کوّا پالتے دیکھا نہ سُنا۔ بے چارہ بدنصیب!

سُنتے آئے تھے کہ کوّے میں ایک عادت بڑی اچھی ہوتی تھی۔ یعنی جھوٹ اُس سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور جھوٹوں کو ضرور کاٹ لیتا تھا۔ چنانچہ یہ کہاوت زبان زد عام تھی کہ ''جھوٹ بولے کوّا کاٹے'' لیکن یہ کب کی بات تھی ہم نے تو انھیں اس پر عمل کرتے دیکھا نہیں۔

دورِ حاضر میں دروغ کو جس قدر فروغ ہوا ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کوّوں نے بھی ناکارہ سرکاروں کی طرح چشم پوشی کی عادت ڈال لی ہے۔ شاید انھوں نے بھی جہاں دیدہ لوگوں کے سمان یہ پالیسی اپنالی ہے:

سچ بولیں گے جب سچ کے ذرا دام چڑھیں گے

کوّے کی چالاکی میں کوئی کلام نہیں۔ کس چالاکی اور پھرتی سے پرندوں کے انڈے کھا بھاگتا ہے جس چترائی سے بچوں کے ہاتھ سے کھانے کی چیزیں اُڑا لیتا ہے وہ دیکھتے ہی بنتی ہے، لیکن اُس کی موقع شناسی کی داد دیجیے کہ بڑوں کے ساتھ یہ عمل کرتے کتراتا ہے۔ ہم غلیل کے اچھے خاصے شکاری رہے ہیں، لیکن کوّے کا شکار کرنے میں ہمیشہ ناکام رہے۔ ظالم کی قیافہ شناسی دیکھیے کہ غلیل نکالنے سے پہلے کنکھیوں سے ہی بھانپ لیتا ہے کہ ارادے نیک نہیں۔ کوڈ ورڈس میں ساتھیوں کو بھی چیتاؤنی دے اُڑتا ہے۔ سو ہماری حسرت ہی رہی کہ کبھی کوّے کا بھی شکار کرتے۔ گرچہ کوّے کا گوشت حرام ہے، لیکن ایسا صرف ہاتھ صاف کرنے کے لیے سوچتے تھے، لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ ''سیر کو سوا سیر'' ہمارے علم میں دو واقعات ایسے ہیں جہاں کوّے نے اپنی عقل و دانش کے باوجود مات کھائی۔ آپ کے گوش گزار بھی کیے دیتے ہیں۔ ایک گھاگ قسم کے مولانا بھنا گوشت کھا رہے تھے۔ کوّے کی چونچ میں پانی آ گیا، سوگھات لگا مولانا کے ہاتھ سے بوٹی اُڑا دیوار پر جا بیٹھا، لیکن داد دینی پڑتی ہے قبلہ کی حاضر دماغی کی فوراً ڈپٹ کر فرمایا۔ فوراً واپس کر دے! ورنہ آج ہی جمعہ کے خطبے میں فتویٰ جاری کرتا ہوں کہ کوّے کا گوشت حلال ہے۔ کوّے کو فتوے کے دوررس اثر کے نتائج کا فوراً احساس ہو گیا اور بوٹی لوٹا دی۔ کیونکہ اُس کی چھٹی حس نے اُس پر آشکارا کر دیا کہ مسلمان حلال گوشت کا کتنا رسیا ہے۔ چنانچہ کوّا حلال قرار پاتے ہی پوری قوم کی جان پر بن آئے گی۔ مشتاق یوسفی کے بقول مسلمان تو ایسا جانور تک نہیں پالتا جسے وہ حلال کر کے نہ کھا سکے۔

دوسرا موقع تب آیا جب کوّے نے ایک شکاری کے ہاتھ سے شکست کھائی۔ تفصیل یہ ہے کہ جبّار خاں نام کے ایک شکاری شکار سے ناکام لوٹ رہے تھے۔ واپسی میں تھکے ہارے تو تھے ہی کہ ایک گھنا پیڑ نظر آیا۔ سوچا کہ تھوڑا سُستا بھی لیں گے اور لگے ہاتھوں کھانا بھی کھا لیں گے، جو بیوی نے ساتھ باندھ دیا تھا۔ ابھی بے چارے نے پہلا نوالہ توڑا بھی نہیں تھا کہ اوپر سے ایک کوّے نے کھانے پر بیٹ کر دی۔ خاں صاحب نے اپنے نوکر کو فوراً بندوق لانے کا حکم دیا۔ کوّے نے سوچا کہ جب نوکر بندوق لائے گا تو اُڑ جاؤں گا، لیکن خاں صاحب کی جیب میں ایک عدد طمنچہ بھی تھا۔ سو انھوں نے جھٹ پستول نکال کوّے کو شوٹ کر دیا۔ کوّا بے چارہ نیچے آ گرا، لیکن مرتے مرتے بھی یہ پیغام دے گیا ''ایسے پٹھان کی ایسی تیسی'' (یہ تو ہم کہہ رہے ہیں ورنہ اُس نے تو کئی گلی سڑی گالیاں بھی دی تھیں) ''جو کہے کچھ اور کرے کچھ'' چنانچہ جب ہمارا کوئی جانکار قول و فعل میں تضاد کا مظاہرہ کرتا ہے تو کوّے کا یہ قصّہ سنا کر ہم بے دریغ کہہ دیتے ہیں کہ ''بقول اُس کوّے کے''۔ خدا بخشے شیخ سعدی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ کیا پُر عافیت فارمولہ دے گئے ہیں

کہ ''نقلِ کفر کفر نہ باشد''

ایک سوال جو ہمیں بار بار پریشان کرتا رہتا ہے کہ اِس قدر فہم، عقل و شعور کا حامل ہونے کے باوجود کوّا بنی نوع انسان کی طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر کیا سے کیا کیوں نہیں ہوگیا؟ جب کہ Feathered Primate ہونے کے ناطے سارے اوصاف سے متصف تھا جو ارتقا کے واسطے ضروری ہیں۔ کیوں کوّے نے کوّا رہنے پر اکتفا کیوں کیا؟ کیوں بشر کی طرح نہ رنگ بدلا، نہ روپ نہ چال ڈھال اور نہ ہی کلچر کے نام پر عادات واطوار، رہن سہن وغیرہ۔ شاید اپنی فہم وفراست سے اُس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا ہو کہ اس خاک کے پتلے کا اپنے ہی ہاتھوں کیا حشر ہونا ہے۔ غالب خیال یہ بھی ہے کہ اُس کے کانوں میں فرشتوں کا یہ خدشہ بھی پڑ گیا تھا ''کہ بشر آگے چل کر وہ فتنہ وفساد اور شر پھیلائے گا کہ الاماں والحفیظ'' اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ زوالِ آدمِ خاکی سے فرشتے ہی نہیں ساری کائنات سہم اُٹھے گی۔ اِس کے علاوہ بنی نوع کوّے کو بخوبی علم یقین تھا کہ بشر اپنے اندر حرص وہوس اور گمراہی کی بے اندازہ صلاحیت رکھتا ہے۔ ارے صاحب ورغلانے کا پہلا کامیاب تجربہ ''بشرِ اوّل'' پر ہی آزما ڈالا۔ اُس کی چشمِ بینا نے اُسے پہلے ہی جتا دیا تھا کہ بشر ابلیس سے زیادہ ناشکرا اور نافرمان ثابت ہوگا۔ آگے چل کر وہ راندۂ درگاہ صرف غرور، گھمنڈ اور احساسِ برتری کی بنا پر ہی تو ہوا تھا۔ تخلیق کا شاہکار تو خدائی اور رزّاقی تک کا دعویدار پایا جائے گا۔ کسی کے رزق کا اُسے ذرا وسیلہ بنا دے کہ عملاً رزّاق بن بیٹھے، پانیوں پر قبضہ پا جائے تو پیاسا مار دے:

یاں ایک خدا ہو تو عبادت بھی ہو ممکن
اس دور میں ہر بندۂ ناچیز خدا ہے

شیطان کا یہ دعویٰ کتنا سچّا تھا کہ وہ ابنِ آدم کی اولاد سے جہنم کو بھر دے گا۔ سوچئے روزِ حشر جنت نیک بندوں سے کس قدر خالی ہوگی۔

برینڈ ڈرسل ان بنیادی ایجادات کا ذکر کرتے ہوئے کہیں لکھا ہے کہ اِن سے یقیناً بنی نوع آدم کی زندگی سہل تر تو بن گئی، لیکن یہ سوال اب بھی جواب طلب ہے کہ کیا اُس کی خوشیوں اور مسرتوں میں بھی اضافہ ہو پایا؟ جگر مرادآبادی نے بھی اِسی خیال کے پیشِ نظر کہا ہے:

کہاں سے پڑھ کے جا پہنچے کہاں تک علم وفن ساقی
مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی نہ من ساقی

آج شیطان کی رہنمائی میں ابنِ آدم اس مقام پر آ پہنچا ہے:

آدمی کو میسّر نہیں انساں ہونا

بلکہ جانوروں تک میں یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا ہے:

اب جنگلوں میں بحث اِسی مسئلے پہ ہے
انسان کیسے پڑ گیا اِس آدمی کا نام

چنانچہ اپنی تمام تر فرسودگی کے باوجود کوّا خودی اور ترقی کے نشے میں چور آدمی سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہے:

میں قدامتوں سے توبہ تو ہزار بار کرلوں
مگر اس جدیدیت کا کوئی وصفِ امتیازی

○○

سائنس کے منتخب مضامین

اس کتاب کے مصنف محمد خلیل بنیادی طور پر ایک سائنس داں۔ انھوں نے طویل عرصے تک مرکزی حکومت کے زیر انتظام شائع ہونے والے میگزین ''سائنس کی دنیا'' کی ادارت کی ہے۔ وہ اس بات سے بڑی حد تک واقف ہیں کہ بچوں کے لیے کس طرح کے سائنسی مضامین پیش کریں۔ اس کتاب میں انھوں نے سادہ اور سہل انداز میں بچوں کو سائنس کی باتیں بتائیں ہیں اور انھیں یہ سمجھایا ہے کہ سائنس کوئی مشکل موضوع نہیں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ان موضوعات کو منتخب کیا ہے جو ہمارے اردگرد بکھرے ہوتے ہیں اور باتوں باتوں میں بچوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کی ترقیات نے انسانی زندگی پر بڑا مثبت اثر ڈالا ہے اور انسانی زندگی کے اکثر شعبے سائنس کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ اس کتاب میں شامل بعض مضامین ایسے ہیں جو بچوں کے ساتھ بڑوں کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کریں گے۔

مصنف: محمد خلیل صفحات: ۸۰، قیمت: تیس روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی